مُرشدِ کامل

مَیں کیوں المسیح کا پیروکار ہو گیا

مولوی صفدر علی

چشمہ میڈیا

بار ———————— اول

۲۰۱۷ء

murshid-e-kaamil. maiṅ kyooṅ al-maseeh
kaa pairokaar ho gaya.
by Safdar Ali

Editing, design and layout (2017) by
Chashma Media,
www.chashmamedia.org

پیش لفظ

مولوی صفدر علی پہلی جنگِ آزادی کے بعد حضرت عیسیٰ کے پیروکار ہو گئے۔ شاعری کی کتاب بنام غذائے روح میں اُنھوں نے اِس کی وجہ فرمائی۔[a] اِس ناتے سے اُن کے الفاظ اُس دور کی ایک اہم تاریخی گواہی ہیں، لٰہذا ہم نے مناسب سمجھا کہ اِنہیں یہاں پیش کریں۔ دو ایک جگہوں پر قاری کی سہولت کے لئے مشکل جملوں کو آسان کیا گیا ہے۔

صفدر علی کا وقار اور نرمی اُن کے ہر لفظ سے ٹپکتی ہے۔ اُن کو کسی سے لڑنے کی دل چسپی نہیں بلکہ اپنی تبدیلی کے باوجود وہ اپنے بھائیوں کے لئے ترستے ہیں۔ یہاں بھی نہ وہ اپنے پرانے مذہب کی بے حرمتی کرتے ہیں، نہ اُس کے پیروکاروں پر زہر اُگلتے ہیں، البتہ اُن کی مایوسی ضرور نظر آتی

[a] غذائے روح، الٰہ باد، 1889ء، صفحہ 329-320۔

ہے۔ اِس ناتے سے وہ ہمارے لئے بھی مشعلِ راہ ہیں جو ایک زمانے میں رہتے ہیں جس میں مذہب کے باعث "انسان، انسان کو ڈس رہے ہیں۔"[a]

[a] خالد محمود عارف، ریگِ دریا، صفحہ 41۔

جناب والد صاحب کی دینی تعلیم و تلقین اور اپنے مزید کتنے ہی دوسرے دین دار گھرانوں کی تربیت اور صحبت پانے سے مَیں نے بچپن ہی سے دنیا دل پر سرد کر دی۔ ساتھ ساتھ آخرت کی فکر جی میں گڑ گئی، جسے خداوند خدا نے دن دن اپنی عجیب حکمت اور قدرت سے بڑھایا۔

آگرہ میں تعلیم کا حصول

مَیں بیس ایک سال طالب علم رہا۔ شروع میں تو بزرگوں نے مجھے پڑھنے کا شوق دلایا، لیکن چار پانچ سال کے بعد خود میرے اندر یہ خداداد شوق پیدا ہوا۔ یہ شوق اِتنا شدید تھا کہ شوق دلانے والے راتوں کو سوتے سے اُٹھ اُٹھ کر کتابیں چھُپاتے اور چراغ بجھاتے تھے۔ ہم مدرّسوں اور ہم سبقوں نے کتاب کا کیڑا نام رکھا تھا۔ چودہ ایک سال مَیں نے خاص آگرہ میں غریب الوطنی کی حالت میں طالب علمی میں گزرانے جہاں مَیں

نے والد صاحب کے سوا دو تین اوپر پچاس اُستادوں سے علم اور ہنر کی تعلیم پائی۔ جس کا علم، ہنر یا کتاب مشہور تھی اُس کو اُسی باب کا استاد بنایا۔

آخری سات آٹھ سال مَیں سرکاری کالج میں داخل ہو کر فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت کی معمولی تکمیل اور تحصیل کرتا رہا۔ مَیں نے انگریزی بھی شروع کی تھی بلکہ اِتنی جلد ترقی کرنے لگا کہ شہر میں شہرہ ہوا۔ جواب میں مفتی صاحب نے حرمت کا فتویٰ دیا۔ دین پیارا تھا، اِس لئے پڑھنا چھوڑ دیا۔

اُس وقت کے طریقۂ تعلیم کے موافق اِدھر علومِ یونانی کی تعلیم تھی، اِدھر ہندو ریاضی اور فلاسفی کی تلقین۔ اور اِن کے ساتھ ہی مغربی سائنس بھی سکھائے جاتے تھے۔ عبادات اور بعض دینیات بلکہ دوسرے خاص خاص علوم اور کتابیں جو کالج میں

نہیں پڑھائے جاتے تھے اُنہیں مَیں خانگی طور پر شہر میں حاصل کرتا تھا۔

انعام

انعام بھی پائے۔ اعلیٰ درجے کی بلکہ اول نمبر کی متواتر اسکالرشپ بھی پوری پوری میعاد تک پائیں۔ اور آخر کو ایک تمغا بھی حضور لفٹیننٹ گورنر بہادر کے ہاتھ سے پایا۔ جس سے پہلے کوئی تمغا کسی عربی یا فارسی یا ہندی یا سنسکرت والے طالب علم کو نہ ملا تھا۔ سب آخری اُستادوں اور کالج کے افسروں نے عمدہ عمدہ سرٹیفکیٹ دیئے۔ کالج میں فارسی کی ایک مدرّسی کی جگہ خالی ہونے پر مَیں نے اپنے کالج اور دہلی اور بنارس وغیرہ کے کالجوں کے طالب علموں اور بعض مدرّسوں کے ساتھ بڑے بھاری معرکہ کا امتحان دیا۔ نمبر اول حاصل کرکے مَیں اُس خدمت پر مامور ہوا۔

اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ

کچھ عرصے بعد مَیں گورنمنٹ نارمل اسکول کے طالب علموں اور استادوں اور کالج کے ہندی اور سنسکرت کے طالب علموں کی تعلیم کے لئے علومِ فلسفی تجربی (نیچرل فلاسفی تجربی) کا اسسٹنٹ پروفیسر بھی مقرر ہوا۔ ساتھ ساتھ مَیں ایک نامی پریس میں بھی ترجمۂ اخبار اور دوسرے کاروبار بھی کرتا رہا۔ اِس مدت میں بھی مَیں نے دینیات کا حصول بہ دستور جاری رکھا۔

روح کی پیاس

غرض سالہا سال دوڑ دھوپ تو بہت ہوئی۔ گلی گلی کوچے کوچے کی خاک چھانی۔ گھر گھر دروازہ جا جا کر جھانکا۔ یگانوں بے گانوں، ہم مذہب اور غیرمذہب، ہم قوم اور غیرقوم کے لوگوں کے بڑے بڑے احسان اُٹھائے جن کا شکریہ ادا

نہیں ہو سکتا۔ اپنے وقت اور مقام کے لائق بہت کچھ پڑھا پڑھایا، سنا سنایا اور دیکھا بھالا۔ لیکن بڑے غم کی بات تھی کہ ایک بات جس کی میری روح پیاسی تھی بلکہ دن دن زیادہ پیاسی ہوتی گئی، وہی نہ پائی۔ وہ کیا تھی؟ دلی تسلی اور روحانی آرام۔ تو بھی جہاں تک اُس وقت تک میری معلومات تھی مَیں اِس بات سے خوش بھی تھا کہ دوسرے دینوں اور فرقوں کی نسبت اپنا آبائی دین اور فرقہ ہی اچھا ہے۔

پنجاب میں ڈپٹی انسپکٹر کا عہدہ

پنجاب میں سر رشتہ تعلیم جاری ہونے پر 1856ء میں مَیں ترقی مل کر ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر راول پنڈی پہنچا۔ پھر ضلع جہلم بھی پایا، پھر قسمت پیشاور بھی سپرد ہوئی۔ خوب سے لمبے چوڑے دورے کیئے۔

اہلِ تصوف کی صحبت

اُسی اثنا میں چند صوفی درویشوں سے ملاقات ہوئی۔ اُن کی صحبت اور صوفیہ تعلیم پا کر دین کی نئی زمین اور نیا آسمان نظر آیا۔ بڑا بھاری روحانی انقلاب کرنا پڑا۔ بڑی مشکلات بھی پیش آئیں۔ بڑی بڑی محنتیں اور ریاضتیں اُٹھانی پڑیں۔ خدا کے فضل نے وہ دُور دراز منزلیں جلد طے کرا دیں۔ آخر دیکھا تو پھر پھرا کر انتہا میں بھی وہیں کھڑا تھا جہاں سے ابتدا میں چلا تھا۔

مُرشد کی تلاش

اُس وقت کا غم برداشت سے باہر تھا۔ پھر تو پورے مہربان حلقۂ درویشاں کی یہ رائے ہوئی کہ کُشُودِ کار اور حصولِ مقصود بے مُرشدِ کامل ناممکن۔ اور اُسی وقت سے عجب عجب طور بڑے

غم اور الم کے ساتھ ایک دوسرے سے مُرشد کی تلاش میں جُدا ہوئے۔

ملتان میں تبدیلی

فقیر کی تبدیلی قسمت ملتان کو ہوئی۔ اضلاع ملتان، جھنگ، گوگیرہ، مظفرگڑھ کی آبادی اور جنگلوں میں درویش ہی درویش پائے۔ گویا کہ مشائخِ صوفیہ کا جنگل تھا۔ یہ دیکھ کر مَیں دل میں نہایت خوش ہوا کہ یہاں تو میری مراد ضرور بر آئے گی۔ اِس لئے جہاں جہاں درویش کا نام سنا دوڑا گیا۔ اُن حلقوں اور مجلسوں اور خانقاہوں میں پتہ لگا لگا کر حاضر ہوا۔ اور اپنا حالِ زار رو رو کر سنایا۔

من بہر جمیعتے نالاں شُدم۔
صحبتِ خوش حالاں و بدحالاں شُدم۔
ہرکسے از ظنِ خود شُد یارِ من۔

از درونِ من بہ جُستِ اسرارِ من۔

سرِ من از نالۂ من دُور نیست۔

لیک چشم و گوش را آن نور نیست۔

صوفیوں کا مایوس کن جواب

اُس وقت یہی میرا حال تھا۔ لیکن ساری تگ و پو کا نتیجہ صفر تھا، ہر کہیں سے یہ جواب ملا، "جس پانی کا تُو پیاسا ہے ہمارے پاس نہیں!!!" لیکن ساتھ ہی ہر کسی سے یہ بڑی خوش خبری بھی پاتا تھا: "پر گھبرا نہیں۔ کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں پانی ضرور پائے گا۔"

جبلپور میں واپسی

1860ء میں پوری اُمید تھی کہ بڑی بھاری ترقی ہو گی۔ لیکن اِس کے اُلٹ ہوا۔ تخفیف کا دروازہ کھل گیا، اور مَیں سب

ہم عہدوں کے ساتھ تخفیف میں آیا۔ مَیں کمتر درجے کی ملازمت منظور نہ کر کے وطن واپس آیا۔ وہاں مَیں ممالکِ مغربی کے سررشتہ تعلیم کے حاکموں کی مہربانی اور قدر دانی سے ضلع جبلپور کا ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر ہو کر آیا۔

مُرشد کی تلاش میں عربستان کا پروگرام

وہاں وہ طالب اور درویش بھی نہ پا کر مَیں بہت ہی گھبرایا۔ عربستان خصوصاً حرمین کو مُرشدِ کامل کی تلاش میں جانے کا پکا ارادہ کر کے مَیں نے رُخصت لی اور رشتے داروں سے ملنے اور وداع ہونے کو وطن گیا۔ لیکن اپنے پر قرضہ دیکھ کر مَیں ڈیڑھ دو سال تک سفر ملتوی رکھنا ضرور سمجھا۔

کتابِ مقدّس کو رد کرنے کا ارادہ

ایک دن مَیں نے یکایک کتابِ مقدّس کا ایک حصہ دیکھا۔ اُسے رد کرنے کے منصوبے سے مَیں نے اُسے ساتھ لیا۔ کچھ دنوں بعد عجب اتفاق سے جناب پادری فادر نحمیاہ گورے صاحب (جو اُن دنوں نیلکنٹھ شاستری کے نام سے مشہور تھے) ملاقات ہوئی۔ پانچ سات دن تک اُن کے ساتھ دینی بات چیت جاری رہی۔ اِس سے میرے دل میں کتابِ مقدّس اور دینِ مسیحی کی تحقیقات کا شوق بڑھا۔ تین ایک سال رات دن اِس شغل میں بسر ہوئے۔

عالموں سے نفرت کا اظہار

آخرکار جب معلوم ہوا کہ دینِ آبائی حق نہیں نظر آتا تو بڑا غم اور ماتم کیا۔ اور یا جداہ و واتباہ کرکے جنگل اور پہاڑ میں

آنحضرت کو پکارا۔ اور کئی ایک نامی گرامی عالموں کو اپنا حالِ زار لکھ کر علاج کا جواب مانگا۔ کچھ جواب نہ پایا۔ پر سنا کہ کسی نے فقیر کا عریضہ جلا دیا۔ کسی نے پھاڑ ڈالی۔ کہ بے دین کا کیا علاج اور جواب؟

شاستری صاحب کی محبت

چونکہ اُن دنوں مجھے مسیحی مذہب پر بھی بہت شُبہے تھے آخر کو اُسی طرح سے اپنا حالِ زار شاستری صاحت کو بھی لکھ بھیجا۔ فوراً جواب پایا، "مَیں تمہارا دُکھ پہچانتا ہوں اور اِس لئے اب یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن مَیں ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہوں۔ اِس لئے اپنے اور اسکول کے مالکوں کو خبر کرتا ہوں اور جیسے ہی اُن سے اجازت پاتا ہوں آتا ہوں۔ اِس کا مطلب یہ نہیں کہ جواب دے سکوں گا۔ لیکن ہمدرد ہوں گا اِس ارادے سے۔" دوسرے دن دوسرا جواب ملا کہ "مس صاحبوں نے

جو مالکن ہیں تمہارا خط سنا اور مجھے فوراً اجازت دی۔ اور اب مَیں روانہ ہوتا ہوں۔"

پھر وہ تشریف لائے اور میرے اور میرے ساتھ کے جو لوگ دینِ حق کے طالب تھے کے روحانی باپ بن گئے۔ وہ چھ ایک مہینے دینی تعلیم اور تلقین کرتے اور اپنی دعاؤں اور مناجاتوں میں ہمیں شریک فرماتے رہے۔ بلکہ وہ میرے ساتھ دورے میں بھی مہربانی سے پھرتے رہے۔ اِس کے باوجود اُنہوں نے یا اُن مس صاحبوں نے ایک کوڑی کا بوجھ بھی ہم میں سے کسی پر نہیں رکھا۔[a]

[a] "ہم" سے دو دوستوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے بعد میں صفدر علی کے ساتھ بپتسمہ لیا۔ ایک کا نام قاسم خان تھا جو سہورا کے گورنمنٹ سکول میں اُستاد تھے۔ دوسرے ایک لائق مولوی بنام کریم بخش تھے۔ وہ بھی سہورا میں اُستاد تھے۔

غرض اِس طرح خداوند خدا نے دو افراد کے ذریعے جنہوں نے اپنے آپ کو محروم رکھا باقی ساری جماعت کے دل کے شک شُبہے دُور کرکے اپنے فضل کا دروازہ کھول دیا کہ اپنے نجات دینے والے عیسیٰ مسیح پر ایمان لاکر خدا باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ پایا۔ آمین۔

اپنی قوم کا ردِ عمل

یہ دیکھ کر ہمارے قوم کے لوگوں نے ہمیں ناحق پر سمجھ کر دودھ سے مکھی کی مانند دُور پھینک دیا۔ اُنھوں نے سب محبت اور قرابت وغیرہ کے واسطے توڑ ڈالے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ اُن کے دین داروں نے تو کم لیکن جو دین داری کا واسطہ بہت کم بلکہ نہیں رکھتے تھے اُنھوں نے بہت ہی ستایا۔ کسی نے ہمارے اہل و عیال کو بہکایا اور بھگایا۔ کسی نے نوٹ، کسی نے کتابیں، کسی نے بہت سے قیمتی کاغذوں کو چُرایا۔

بعضوں نے اچھی طرح سے بھاری چلتے چلاتے پریس کو تُڑوایا۔ کوئی روپئے اور کتابیں لے کر بھاگ گیا۔ کسی نے پریس کی کئی ہزار کتابوں پر حملہ کرکے کوڑیوں کے مول بکوایا۔ کسی نے مال و اسباب دبایا۔ کسی نے مکان ہی دبوایا۔ اور اِسی طرح جس کے جو جی میں آیا کرگزرا۔ اب تک پیچھا نہیں چھوڑتے۔

سب سے خطرناک دشمن

مگر جس طرح دوسرے بھائیوں نے ویسے ہی مَیں نے سب سے خراب اور جانی و روحانی دشمن اپنے ہی نادان اور ناپاک دل کو پایا۔ لیکن ہم اپنے مبارک مُرشد اور رہبر عمانوایل کے بے حد فضل اور کرم کے شکر گزار ہیں جس نے اِس وقت تک ہمیں تلوار کی دھار پر چلایا ہے۔ اُسی پر بھروسا ہے کہ وہ آخر تک ہماری حمایت اور حفاظت کرکے ایمان کے ساتھ اِس دنیا

سے اُٹھائے گا اور اپنے پاس بلائے گا جہاں ہم ابد الآباد خوش
حال اور خرم رہیں گے۔